اورینٹل کالج میگزین، جلد۹۸، شمارہ۳، مسلسل شمارہ:۳۶۹، سال ۲۰۲۳ء

قیام پاکستان سے قبل اردو ناول میں خاندانی نظام کی پیش کش

عائشہ غفور

لیکچرر اُردو

گورنمنٹ گریجوایٹ کالج برائے خواتین، اوکاڑہ

PRESENTATION OF FAMILY SYSTEM
IN URDU NOVEL BEFORE THE CREATION OF PAKISTAN

Ayesha Ghafoor
Lecturer in Urdu
Govt. Graduate College for Woment, Okara

Abstract

The family system presented in the Urdu novel before partition was the joint family system provided by the agrarian system of life. This joint family system was convinced of the primacy of family ties and emphasized interdependence. In this system, love, loyalty and sacrifice were the basic beliefs. Later, the joint family system became the cause of most of the economic and social problems faced by the subcontinent family system while regressing from the agricultural system to the industrial system. Therefore, the Urdu novel was both an exponent and a critic of joint family life. Thus, the Urdu novel, starting with the reform of the family before the establishment of Pakistan, became a reflection of the different situation of the joint families living in the society.

Keywords:
Family System, Joint family system, Subcontinent, Agricultural System, Industrial System, Urdu Novel.

ناول کا خمیر انسانی فطرت سے اٹھایا جاتا ہے۔ ناول فرد اور فرد سے وابستہ ہر شے سے متعلق ہے۔ اب یہ ناول نگار پر منحصر ہے کہ وہ اس ہر شے کے زیرِ اثر فرد کی انفرادیت کو کس طرح سامنے لاتا ہے۔ اردو زبان میں اول اول جو ناول تحریر کیا گیا اس میں یہ ہر شے فرد کی تہذیب ہے، اس کا معاشرہ ہے، اس کی خاندانی زندگی ہے۔ اس کے اپنے گرد و پیش کی سیاسی، سماجی اقتصادی، مذہبی، تعلیمی اور ازدواجی زندگی ہے۔ غرض ہر وہ شے ناول کا موضوع بنی ہے جو انسانی سماج کا حصہ ہے۔ انسانی وجود کے ساتھ پیش آنے والے واقعات، اس کے مشاہدات و تجربات، انسان کے خیالات اور افکار و نظریات کی آمیزش سے ایک ناول کا خمیر تیار کیا جاتا ہے۔ ناول میں کرداروں کی پیش کش معاشرتی اور سماجی مسائل کی پیش کش زندگی کی حقیقتوں کا بیان اور انسانی زندگی کے خارجی اور باطنی مسائل کا بیان بسا اوقات کہانی پن کی خاصیت کے لیے ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اس ساری ظاہری و باطنی زندگی کا تعلق کبھی بیرون خانہ زندگی سے جوڑا جاتا ہے اور کبھی اندرون خانہ سے۔

خاندان انسانی معاشرتی اداروں میں قدیم ترین ادارہ ہے۔ یہ ایسا ادارہ ہے جس کا تعلق بہ راہ راست انسان سے، معاشرے اور سماج سے ہے۔ نسل انسانی کے تسلسل میں جو ادارہ بنیادی کردار ادا کرتا ہے وہ خاندان ہے۔ خاندان کسی بھی معاشرے میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ناول نگار خاندانی زندگی کے پس پردہ تہذیب و معاشرت کے ساتھ سماجی صورتِ حال کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔ یوں ناول میں کبھی خاندان جاگیردارانہ نظام زندگی کا عکس بنتا ہے تو کبھی ایک خاندان اپنے پورے عہد کا نوحہ بنتا ہے۔ ہندوستان میں مشترکہ خاندانی نظام کئی صدیوں سے چلا آرہا ہے۔ اردو زبان میں ۱۹۴۷ء سے پہلے جو ناول تحریر کیا گیا وہ بیشتر اسی نظام زندگی کی تعریف و توصیف کے ساتھ مصائب و مسائل کا بیان بھی ہے۔ مشترک اقدار و روایات کا امین یہ نظام ناول کی خاندانی زندگی میں بھی اشتراک کو فوقیت دیتا ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد (۱۸۳۶ء۔ ۱۹۱۲ء) اردو کے پہلے ناول نگار ہیں۔ ان کے ناول متوسط مسلم خاندانوں کی تہذیب، روایات، معاشرت اور طرز رہن سہن کے عکاس ہیں۔ **مراۃ العروس** ۱۸۵۹ء میں شائع ہوا۔ یہ اردو زبان کا پہلا باقاعدہ ناول قرار دیا جاتا ہے۔ یہ ناول دہلی کے متوسط مسلم خاندان کی زندگی کو پیش کرتا ہے۔ قصے کے آغاز میں تمہید کے طور پر نذیر احمد نے عورت اور مرد کے مابین حقوق و فرائض اور اختیارات کو واجبی طور پر تقسیم کیا، یہ تمہید بہت اہم ہے۔ اس میں کچھ ایسے نمایاں خد و خال ہیں جو ہر خاندان کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ ناول دو بہنوں بڑی بہن اکبری اور چھوٹی بہن اصغری کی کہانی ہے جو ایک

دوسرے کی ضد ہیں، یہ دو کردار نہیں بل کہ خیر اور شر کی انتہا ہیں۔ اکبری کی تربیت بہت لاڈ، پیار، انسیت اور محبت سے اس کی نانی نے کی جس کے نتیجے میں وہ پھوہڑ، بد تمیز اور شرارتی بنی اور ہر قسم کے ہنر سے نا آشنا رہی۔ جب کہ اس کے متوازی اس کی چھوٹی بہن اصغری والدین کے زیر سایہ تربیت پاتی ہے۔ کوئی ہنر ایسا نہیں جس سے وہ آشنا نہ ہو، جو اس کے ذہن رسا سے دور ہو۔ یہاں تک کہ اس کا لقب بیاہ کے بعد تمیز دار بہو ٹھہرا۔ ہندوستانی معاشرہ چوں کہ مشترکہ خاندانی نظام کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اس لیے یہاں مسلمان ہوں یا ہندو سبھی کے لیے اپنے بیٹوں کو الگ کرنا مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ اس ناول میں بھی جداگانہ خاندانی نظام کو معتبر نگاہ سے نہیں دیکھا یا گیا۔ اکبری کی حماقتوں کے سبب جب وہ خود الگ گھر کا مطالبہ کرتی ہے تو اس کی ماں بیٹی کی حمایت کرتے ہوئے اپنے داماد سے ہی درخواست کرتی ہے کہ داماد الگ رہنے پر رضامند ہو جائے۔ یہی قصہ جب محمد کامل اپنی ماں کو سناتا ہے تو اس کے تاثرات کچھ یوں بیان ہوئے ہیں:

> "سنتے ساتھ ہی ماں کو کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، لیکن عورت تھی بڑی دانش مند، کہنے لگی ہر چند میری تمنا یہ تھی کہ جب تک دم میں دم ہے تم سب کو اپنے کلیجے سے لگا کر رکھوں اور تم دونوں بھائی اتفاق سے رہو۔"(۱)

اصغری کی شادی محمد کامل کے چھوٹے بھائی سے ہوئی۔ اس کی شادی کے بعد اس کے والد دوراندیش خان اپنی بیٹی کے نام خط لکھتے ہیں جس کا عنوان ہے "بیاہی ہوئی لڑکیوں کے لئے عمدہ نصیحت"۔ اس خط میں بیٹی کو باپ کی طرف سے بے شمار عمدہ نصیحتیں کی گئی ہیں۔ بیشتر ان معاملات پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کے سبب لڑکیوں کے گھر ٹوٹ جاتے ہیں یا وہ اپنے سسرال سے الگ اپنا مسکن بناتی ہیں، یا پھر اپنا میکہ تاحیات ان کے دل سے نہیں گزرتا کہ سسرال کا مقام آئے۔ یہ نصیحتیں ایک نئی نویلی دلہن کے حوالے سے بہت دل چسپ ہیں۔ ان میں بے شمار ایسی وجوہات پر روشنی ڈالی گئی ہے جو ہندوستانی طرز خاندان میں بہت عام ہیں۔ مثلاً ساس بہو کے جھگڑے، ڈپٹی نذیر احمد اس حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

> "بیاہ سے پہلے تک لڑکا ماں باپ میں رہا اور صرف انھیں کے ساتھ اس کو تعلق تھا۔ ماں باپ نے اس کو پرورش کیا اور یہ توقع کرتے رہے کہ بڑھاپے میں ہماری خدمت کرے گا۔ بیاہ کے بعد بہو ڈولی سے اترتے ہی یہ فکر کرنے لگتی ہے کہ میاں آج ماں باپ کو چھوڑ دیں۔ پس لڑائی ہمیشہ بہوؤں کی طرف سے شروع ہوتی ہے اگر بہو کنبے میں مل کر رہے اور کبھی ساس کو یہ نہ معلوم ہو کہ یہ بیٹے کو ہم سے چھڑانا چاہتی ہے تو ہرگز فساد پیدا نہ ہو۔"(۲)

اصغری کے والد دور اندیش خان بنیادی طور پر ڈپٹی نذیر احمد کے ترجمان ہیں۔ اصغری کو جو بھی خطوط والد کی طرف سے ملے، وہ سب خانگی زندگی کو بہترین بنانے کے لیے تحریر کیے گئے۔ آپ اسے وعظ یا نصیحت کہہ سکتے ہیں لیکن والد کا یہ کردار اپنی بیٹیوں کی تربیت کے حوالے سے یا ان کی اخلاقی قوت کے حوالے سے بہترین ہے۔ بیٹیاں جس قدر اپنے والد سے قریب ہوتی ہیں، ان کے احساسات اسی قدر مضبوط ہوتے ہیں۔ نذیر احمد کا یہ کردار اپنی معاشرت کو لے کر اجتہادی نقطہ نظر کا حامی ہے کیوں کہ اس وقت جب کہ عورت بہ طور ماں بچوں کے سیاہ و سفید کی ذمہ دار قرار دی جاتی تھی، ڈپٹی نذیر احمد مرد کو بھی بہ طور باپ کٹہرے میں کھڑا کرتے نظر آتے ہیں۔ یوں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ناول باقاعدہ طور پر مسلم خاندانوں کی لڑکیوں کی اصلاح کے لیے تحریر کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ اردو کا پہلا ناول ہے لیکن خاندانی زندگی کی اصلاح کی بہترین کاوش ہے۔

مرزا ہادی رسوا (۱۹۳۱ء۔۱۸۵۷ء) کا تصور خاندان ان کے ناول **شریف زادہ** میں سامنے آتا ہے۔ رسوا کا تصور خاندان بہت متوازن ہے۔ اس ناول میں یہ تصورِ خاندان بہت تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ شریف زادہ مرزا عابد حسین کی سوانح حیات ہے۔ مرزا عابد حسین کے آباؤ اجداد اپنے وقت میں رئیسانہ زندگی بسر کرتے تھے لیکن عابد حسین تک آتے آتے حکومتوں کی تبدیلی سے وہ عمارت تو قائم نہ رہی لیکن شرافت اور غیرت و حمیت ویسے ہی رہی۔ والد کی وفات سے پہلے تک حالات بہت اچھے رہے۔ مرزا باقر حسین کے انتقال کے وقت عابد حسین مڈل کلاس میں تھے۔ تنگ دستی کے سبب بیوی کا زیور گھر کے قیمتی برتن اور دیگر قیمتی اشیا بکنے لگیں۔ تعلیم ایف اے تک جیسے تیسے مکمل کی اور نوکری کی تلاش شروع ہوئی۔ لکھنؤ میں تب تک حالات ایسے ہو چکے تھے کہ نوکری ملنا ناممکن تو نہیں لیکن مشکل ضرور تھا۔ یہی عابد حسین کے ساتھ ہوا، پہلی نوکری بلدیو کے کارخانے پر اس کے لڑکے کو پڑھانے کی مد میں ملی جس کے نتیجے میں تنخواہ کے پانچ روپے اس کو ملتے رہے۔ کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے، یہی سوچتے ہوئے عابد حسین نے یہ نوکری منظور کر لی اور گھر سے بہت دور بلدیو کے کارخانے پر ہر روز صبح سویرے پہنچنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی نقشے بنانے کا کام سیکھنے لگے۔ رفتہ رفتہ نقشہ نویسی سیکھی، پھر انجینیرنگ کا امتحان پاس کیا اور محکمہ تعمیرات میں پچھتر روپے ماہ وار کے نوکر ہو گئے۔ سیکھنے کی جستجو رفتہ رفتہ بڑھتی گئی اور ترقی کا عمل رکا نہیں، ساتھ ہی ساتھ کتاب پڑھنے کی عادت شروع سے تھی اب باغ بانی سے بھی شغف فرمانے لگے۔

مرزا عابد حسین نے جتنی ترقی کی اس سارے سفر میں ان کی شریک حیات کا کردار بہت مضبوط رہا۔ مرزا رسوا نے مرزا عابد حسین کی بیوی کا کردار تخلیق نہیں کیا بل کہ اہل دنیا کو ایسی بیوی کی مثال دی ہے جو ان کے مطابق بیوی کہلانے کی حق دار ہے۔

رسوا کے اس ناول کا موضوع بہترین خاندان کی پیش کش ہے۔ عابد حسین کی ترقی جہاں شخصی ترقی ہے وہیں اس کے پس پردہ اس کی بیوی کی محنت اور اور خلوص بھی شامل حال رہا ہے۔ اس کی شادی نو عمری میں ہی رقیہ بیگم سے کر دی گئی تھی۔ رقیہ بیگم جفاکش، وفاشعار، مذہبی، اور نیک عورت کی صورت میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ اس میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو لکھنوی معاشرے یا ہندوستانی معاشرے کی ایک مثالی بیوی میں پائی جا سکتی ہیں۔ شوہر کی وفادار، غم گسار، ایثار و قربانی کا پیکر اور سب سے بڑھ کر مفلسی کے زمانے میں محنت و مشقت کر کے نہایت خوش اسلوبی سے ساتھ دینے والی بیوی۔ مرزا رسوا لکھتے ہیں:

> "میاں تو نوکری کی تلاش میں گئے۔ اب بیوی کا حال سنیے۔ یہ بیچاری صبح اٹھ کے ٹوپی کاڑھنے میں مصروف تھیں۔ ایک پلہ تو کئی دن سے تیار تھا، دوسرے میں کچھ کام باقی تھا۔ بارے اس وقت دونوں پلے تیار ہو گئے۔ اب اس کے فروخت کرنے کی فکر ہوئی۔"(۳)

رقیہ بیگم کا لڑنے جھگڑنے سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ مثالی شریک حیات کی حیثیت سے زوجیت کا پورا حق ادا کرتی ہے۔ اس کے اندر شوہر کی جدائی کا جذبہ بہ درجہ اتم موجود ہے۔ کبھی کوئی شکایت نوک زباں تک نہیں آئی، بل کہ پریشانی کے لمحوں میں حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ یہاں بیگم پر شوہر کی ذات اس طرح حاوی ہے کہ خود رقیہ بیگم کا کردار کہیں دب جاتا ہے۔ یہ شوہر کے لیے زندہ ہیں۔ اب یہاں مرزا رسوا کا تصور خاندان بہت واضح ہو کر قاری کے سامنے آجاتا ہے۔ وہ بہت وضاحت سے خاندانی زندگی میں عورت اور مرد کے حقوق و فرائض بیان کرتے ہیں۔ یہاں اسلامی تناظر بھی موجود ہے اور معاشرتی تناظر بھی۔ اس کے ساتھ ہی مغربی تہذیب میں خاندانی زندگی کے بیانیے کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ مغربی تہذیب میں جو خاندانی نظام چل رہا تھا اس کے حوالے سے جو اعتراضات ہیں۔ وہ اعتراضات بھی اور ان اعتراضات کے مدلل جواب بھی تحریر کیے گئے ہیں۔

یہ ناول مرزا عابد حسین کی کامیابیوں تک مکمل ہو سکتا تھا لیکن مرزا رسوا نے مرزا فدا حسین کے کردار اور اس کے خاندان کا معاملہ ناول میں شامل کر دیا۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح ڈپٹی نذیر احمد نے اکبری کا بہت مختصر قصہ قارئین کو نیک و بد کا فرق سمجھانے کے واسطے ناول کا حصہ بنایا تھا۔ مرزا رسوا نے

خیابان، بہار ۹۷

فدا حسین اور اس کے خاندان کو اس ناول میں بہترین کے مدمقابل بدترین بنا کر پیش کیا۔ عابد حسین کی بیوی نیک نیت ہے جب کہ فدا حسین کی بیوی اس کا متضاد ہے۔ یہی تضاد ان دونوں خاندانوں کے بچوں میں بھی ہے اور گھریلو ماحول میں بھی انتظار حسین (۱۹۲۳۔۲۰۱۶ء) نے رسوا کے بارے میں تحریر کیا ہے:

> "پھر یہ بھی عجیب واقعہ ہے کہ مرزا ہادی رسوا کی اصل دل چسپی تو نئے پرانے علوم میں تھی۔ ریاضی، فلکیات، منطق، فلسفہ، کیمیا ان علوم سے خصوصی رغبت تھی۔ ناول تو سمجھ لیجیے کہ بس چلتے چلتے لکھے۔ لیکن ان کا سارا کام پیچھے رہ گیا۔"(۴)

مجموعی طور پر رسوا کا یہ ناول اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ شادی بیاہ گڈے گڈی کا کھیل نہیں ہے۔ انسانی زندگی کے تسلسل میں ایک بہتر زندگی گزارنے کا وسیلہ خاندانی زندگی ہے۔ مرزا رسوا کے ناول اس حقیقت کو بہت وضاحت سے بیان کرتے ہیں کہ بیاہ وہی مرد کرے جو اس کا اہل ہو اور ذمہ داری اٹھانے کی قوت رکھتا ہو۔ نااہل شخص اس تعلق کو نبھاتا کم اور لوگوں کی زندگیوں کو خراب زیادہ کرتا ہے۔ مرزا رسوا نے بہ طریق احسن ایک متوازن خاندانی نظام اپنے ناولوں کے ذریعے سے پیش کیا ہے جس کے وسیلے سے ترقی یافتہ معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے۔

گئودان پریم چند (۱۹۳۶ء-۱۸۸۰ء) کا آخری اردو ناول ہے۔ یہ ناول ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔ یہ ناول اپنے فن و فکر کے اعتبار سے پریم چند کا شاہ کار ہے۔ اردو اور ہندی کے بیشتر ناقدین اسے نہ صرف پریم چند بل کہ دونوں زبانوں کے ادب کا بہترین ناول قرار دیتے ہیں۔ اس ناول میں پریم چند کی حقیقت نگاری اور صناعی درجہ کمال پر ہے۔ فکر و شعور کے اعتبار سے بھی اور عصری زندگی کے بارے میں بھی ان کا نقطہ نظر اس ناول میں بہت نکھر کر سامنے آتا ہے۔ ان کی ساری زندگی کے تجربات اپنی فنی چابک دستی سے اردو ناول کے فن کو ایک نیا دور بخشتے ہیں۔

اس ناول کو چھتیس ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ابتدا میں ہی بیشتر کرداروں کا تعارف ہو جاتا ہے۔ اس ناول کی دنیا میں کسانوں کے داتا دین، منگری اور جھنگر شاہ، مذہبی پیشواؤں اور ساہوکاروں کے برای اگر پال سنگھ، زمین داروں کے کھنا، سرمایہ داروں کے کے سہنا مرزا خورشید اور اونکار ناتھ، متوسط طبقہ کے دانش وروں اور قومی راہ نماؤں کے ساتھ مس مالتی جو کہ کہ پیشے کے لحاظ سے ڈاکٹر ہیں انگریزی اور ہندی معاشرت میں عورت کے بدلتے ہوئے کردار کے ساتھ سامنے آتی ہیں۔ یہ سب کردار اپنے اپنے خیالات، احساسات، روایات اور تفکرات کے ساتھ ہمارے سامنے ہیں۔ ہم ان سے واقف ہوتے ہیں، ان

کی زندگی کو دیکھتے، پرکھتے اور ان کی رائے کا احترام کرتے ہیں۔ پریم چند اپنے ان بے شمار کرداروں کے ساتھ بڑی چابک دستی سے اپنے عہد کے سماجی مسائل کو اٹھاتے ہیں اور اس دور کی سماجی کش مکش کو بے نقاب کرتے ہیں۔ ان سیاسی اور سماجی مسائل میں خاندانی نظام کو بھی جابجا موضوع بنایا گیا ہے۔ پریم چند مشترکہ خاندانی نظام کے بہت بڑے نقاد ہیں۔ اس ناول میں بھی وہ اس نظام کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ وہ مشترکہ خاندانی نظام کے مثبت اور منفی پہلوؤں کو پیش کرتے ہیں۔ ناول کا مرکزی کردار ہوری بیل داری گاؤں کا کسان ہے۔ ہوری کا کنبہ بیوی دھنیا ایک لڑکا گوبر اور دو بیٹیاں روپا اور سونا پر مشتمل ہے۔ ہوری کے والدین کی وفات کے بعد اس کے دونوں چھوٹے بھائی سوما اور ہیرا کنوارے تھے۔ ہوری ان دونوں کی پرورش کرتا ہے۔ بڑے ہونے پر شادی بیاہ کرتا ہے۔ بیویوں کے آجانے کے بعد دونوں بھائی الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ اس پر ہوری اور اس کی بیوی دھنیا پر بے شمار الزامات لگاتے ہیں۔ یہ بڑے تھے سن کر خاموش ہو رہے۔ اب جب کہ سب الگ الگ ہیں اور ہوری کا بال بال قرضے میں ڈوبا ہوا ہے۔ یہ سیدھا سادھا نیک اور ایمان دار انسان ہے۔ اس کا ایک ہی خواب ہے کہ کسی طرح ایک گائے اس کے دروازے پر کھڑی ہو۔ اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے وہ اپنی ایمان داری بھی داو پر لگا سکتا ہے۔ وہ بھولا کو دوسری شادی کا خواب دیکھا کر اس سے ایک گائے لے لیتا ہے اور جب اس کا لڑکا گوبر گائے لینے جاتا ہے تو بھولا کی بیوہ بیٹی جھینا سے اس کا تعلق ہو جاتا ہے۔ جھینا گوبر سے حاملہ ہو جاتی ہے اور گوبر جھینا کو اپنے گھر کے دروازے پر چھوڑ کر خود شہر بھاگ جاتا ہے۔ گوبر کے ماں باپ جھینا کو گھر میں رکھنے کے جرم میں برادری کے عتاب میں آجاتے ہیں۔ ہوری کی ساری فصل اسی گناہ کی نذر کر دیتے ہیں۔ بھولا اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے گائے کے بدلے ہوری کے دونوں بیل لے جاتا ہے۔ یوں ہوری پیسے پیسے کا محتاج ہے۔ دوسری طرف گوبر شہر جا کر اپنی محنت سے اچھی روزی کمانے لگتا ہے۔ زمانے کے بدلتے ہوئے تیور دیکھ کر کچھ ہوشیار ہو جاتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ گاؤں کے کسان کی زندگی اپنے کھیت اور مہاجن کے گرد سسک سسک کر ختم ہو رہی ہے۔ وہ اپنے باپ کی معصومیت اور مذہب پرستی پر جابجا جھنجھلاتا ہے۔ گوبر گاؤں واپس جا کر اپنے باپ کا کچھ قرض اتارتا ہے اور واپسی پر ماں باپ سے لڑ جھگڑ کر اپنی بیوی جھینا اور بچے کو لے کر شہر آجاتا ہے۔ دوسری طرف اس کی دونوں بہنیں جوان ہو رہی ہیں۔ ہوری سونا کی شادی ایک اچھے گھر میں طے کرتا ہے۔ لیکن روپے کا انتظام کسی طور نہیں ہوتا آخر کار قرض لے کر یہ شادی بھی کر دیتا ہے تو ساہو کار اس کی تین بیگھے زمین پر قبضہ جمانا

چاہتا ہے۔ ہوری اپنی چھوٹی لڑکی روپا کی شادی ایک ادھیڑ عمر شخص سے کر دیتا ہے۔ یوں وہ اپنی زمین بچانے میں کام یاب ہوتا ہے۔ گائے کا خواب ابھی بھی اس کی آنکھوں میں زندہ ہے۔ یوں ہی مزدوری کرتے کرتے ایک دن لو لگنے سے اس کی موت ہو جاتی ہے۔ ہوری کی موت در حقیقت اس کی آزادی ہے۔ زندگی بھر کے دکھوں اور محرومیوں سے۔

گاؤں کی زندگی کے متوازی شہری زندگی کے حالات و واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ ہوری کے وسیلے سے رائے صاحب اور رائے صاحب کے وسیلے سے مسٹر رکھنا، مسٹر مہتا، مرزا خورشید، مس مالتی، پنڈت اونکار ناتھ اور مسٹر ٹخنا سامنے آتے ہیں۔ یہ سب مختلف سوچ کے حامل شہری لوگ ہیں۔ لیکن ان سب کے وسیلے سے شہری زندگی اور دیہاتی زندگی اپنے اپنے خاندانی نظام کے ساتھ سامنے آتی ہے۔

مسٹر کھنا سرمایہ دار طبقے کے نمائندہ کردار ہیں۔ وہ ایک بینک کے منیجر ہیں اور شکر مل کے مینیجنگ ڈائریکٹر بھی ہیں۔ ان کی بیوی گوبندی اس ناول میں مثالی بیوی کے طور پر سامنے آتی ہے۔ گوبندی وفا کا پیکر ہے تو ساتھ ہی اپنے شوہر اور اس کے رنگین مزاج کو لے کر حسرت و یاس کا پیکر بھی ہے۔ مسٹر مہتا گوبندی کے لیے عزت سے زیادہ عقیدت کے جذبات رکھتے ہیں۔ یہ آدرشی بیوی اپنے شوہر کے کنگال ہو جانے پر اس کو کچھ یوں حوصلہ دیتی ہے۔

> "تو تم اتنا دل کیوں چھوٹا کرتے؟ دھن کے لئے جو سارے پاپوں کی جڑ ہے؟ اس دن سے ہمیں کیا سکھ تھا؟ سویرے سے آدمی رات تک ایک جھوٹ آدمی کی تباہی اور بربادی بچے تم سے بات کرنے کو ترس جاتے تھے، رشتہ داروں کو خط لکھنے تک کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ کیا بڑی عزت تھی؟ ہاں تھی، کیونکہ دنیا آج کل دھن کی پوجا کرتی ہے اور سدا کرتی چلی آئی ہے۔"(۵)

پریم چند نے دو مختلف ازدواجی زندگیوں سے عورت بہ طور بیوی کے دو روپ دکھائے ہیں۔ ایک گوبندی دیوی اور دوسرا روپ دھنیا کا ہے۔ پریم چند عورت کی آزادی اور خود مختاری کی وکالت کرتے ہیں تو اس کی کچھ نہ کچھ نفسیاتی توجیہ ان کے کرداروں میں دکھائی دیتی ہے۔ دھنیا اپنے شوہر کی وفادار ہے۔ محبت کرنے والی اور نرم دل رکھنے والی ہے۔ لیکن یہی دھنیا جب لوگوں کو اس کے شوہر کی نرمی اور مذہبیت کا غلط فائدہ اٹھاتے دیکھتی ہے تو اس کے اندر کی ساری نرمی اور محبت دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ ڈاکٹر مشتاق احمد وانی (۱۹۶۰ء) نے اس صورت حال کو کچھ یوں تحریر کیا ہے:

"عورت کے اندر قدرت نے اپنے خاوند کی خدمت، محبت اور وفاداری کا جذبہ ودیعت فرمایا ہے لیکن بعض موقعوں پر جو عورت، خاوند سے بدکتی ہے تو پھر اس کے نرم ونازک دل میں محبت ووفاداری کے بدلے نفرت وکدورت اور انانیت اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ اس سے توبہ ہی بھلی اور خاوند کو چاروناچار اس کے آگے گھٹنے ٹیکنے پڑتے ہیں۔ کبھی سسر اور ساس کی شکایت لے بیٹھتی ہے اور کبھی دیور اور دیورانیوں کا تذکرہ۔ غرض یہ کہ ہر عورت فطری طور پر آزادی اور خود مختاری چاہتی ہے۔(۶)

ہوری اور دھنیا کے ازدواجی انتشار کے واقعات بے شمار ہیں۔ جن کے مطالعے سے عورت کی مردانگی اور مرد کی کم زوری جابہ جاعیاں ہے۔ جب کہ دوسری طرف مس مالتی اور ان کی دونوں بہنیں ہیں جو عورت کی آزادی کی خواہاں ہیں۔ اس حوالے سے جلسے جلوس منعقد کیے جاتے ہیں۔ انجمنیں بنائی جاتی ہیں۔ مس مالتی پیشے کے لحاظ سے ڈاکٹر ہیں۔ اس پر خوب صورت اور ذہین بھی ہیں۔ دل ہی دل میں مسٹر مہتا سے محبت کرتی ہیں۔ لیکن مسٹر مہتا کا نظریہ شادی بیاہ کے بارے میں مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"بیاہ کو میں سماجی سمجھوتہ سمجھتا ہوں، جسے رد کرنے کا اختیار نہ مرد کو ہے، نہ عورت کو۔ سمجھوتہ کرنے سے پہلے آزاد ہیں مگر اس کے بعد آپ کے ہاتھ کٹ جاتے ہیں۔

"اور آزادانہ عیش والا اصول؟"

"وہ ان کے لیے جو بیاہ نہیں کرنا چاہتے۔"

"اپنی روح کا کامل ارتقا سبھی چاہتے ہیں، پھر بیاہ کون کرے اور کیوں کرے؟"

"اسی لیے آزادی سبھی چاہتے ہیں، مگر ایسے بہت کم ہیں جو لالچ کو روک سکیں۔"

"آپ بہتر کسے سمجھتے ہیں، ازدواج کو یا تجرد کو؟"

"سماجی اعتبار سے ازدواج کو اور شخصی نکتہ خیال سے تجرد کو۔""(۷)

مس مالتی مہتا سے اپنی محبت کا اظہار کرتی ہے تو مسٹر مہتا بیوی کے معاملے میں گوبندی دیوی جیسی خاتون کو بیاہ کے لیے مناسب قرار دیتے ہیں نہ کہ مس مالتی جیسی آزاد خاتون کو، وہ مالتی سے شادی کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ کچھ وقت گزرنے پر مہتا شدید بیمار پڑتے ہیں۔ مس مالتی انھیں اپنے گھر لے جاتی ہیں۔ جہاں مہتا پر مالتی کی خانگی زندگی کے اسرار کھلتے ہیں جو مس مالتی کو گوبندی دیوی سے کہیں بلند مقام پر فائز کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اب مہتا شادی کے لیے درخواست گزار ہوتے ہیں اور مالتی انکار کر دیتی

ہے۔یوں پریم چند عورت کی ازدواجی اور معاشرتی حیثیت کو مرد کی برابری کے پلڑے میں ثابت کر دیتے ہیں۔اس حوالے سے ڈاکٹر قمر رئیس(۱۹۳۲۔۲۰۰۹ء) نے ایک اقتباس شورانی دیوی کے حوالے سے تحریر کیا ہے:

> "ملک میں کچھ ہی مرد عورت ایسے ہیں جو ایک کی کمائی پر دوسرا گزر کرتا ہو۔ چھوٹی ذاتوں اور کاشتکاروں میں دیکھ لو دونوں برابر کی محنت کرتے ہیں بلکہ عورتیں مردوں سے کچھ زیادہ ہی کام کرتی ہیں پھر بھی مرد۔۔۔ عورتوں سے ان کی کمائی بھی چھین لیتے ہیں اور ان پر حکومت بھی کرتے ہیں۔"(۸)

مجموعی طور پر **گئودان** دیگر سماجی مسائل کے ساتھ ساتھ پریم چند کے تصور خاندان کو بھی بہت وضاحت سے قاری کے سامنے رکھتا ہے۔دیہات میں ہوری اور دھنیا کی خاندانی زندگی کے متوازی شہر میں گوبندی اور مسٹر رکھنا کی خاندانی زندگی دو مختلف فضائیں ہیں۔ دھنیا اور گوبندی بہ طور مثالی بیویوں کے ہمارے سامنے ہیں۔یوں ہی ہوری اور کھنّا اپنی اپنی کم زوریوں کے ساتھ بالآخر ان کے اچھے شوہر ہیں۔یہ خواتین اپنے شوہروں سے بے پناہ محبت کرتی ہیں۔وہ سب کچھ برداشت کر سکتی ہیں لیکن اپنے شوہروں کو کسی مصیبت میں نہیں دیکھ سکتیں۔یہ ایسی بیویاں ہیں جو ہر حال میں اپنے شوہر کے شانہ بشانہ کھڑی ہیں۔

عصمت چغتائی(۱۹۹۱ء-۱۹۱۵ء) کا ناول **ٹیڑھی لکیر** ۱۹۴۴ء میں منظر عام پر آیا۔اس ناول کا ڈھانچا آپ بیتی پر تعمیر کیا گیا ہے۔یہ ٹیڑھا پن ناول کے مرکزی کردار شمن کی زندگی پر محیط ہے۔اس ٹیڑھے پن کا آغاز اس کی پیدائش کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔اس ناول کا خاندانی واسطہ یہی بچپن ہے وہ خاندان جس میں شمن کی پرورش ہوئی وہاں کا ماحول، طرز رہن سہن، ماں باپ کا اپنے بچوں کے ساتھ برتاؤ اور ہندوستان میں متوسط مسلم خاندانوں کا ماحول، بہت مہارت سے ناول کا حصہ بنایا گیا ہے۔یوں یہ ناول صرف شمن کی کہانی نہیں رہتا بل کہ ہندوستان کے مسلم خاندانوں میں پیدا ہونے والی بے شمار لڑکیوں کی کہانی بن جاتا ہے۔اسی لیے عصمت چغتائی لکھتی ہیں:

> "شمن کی کہانی ایک لڑکی کی کہانی نہیں ہے، یہ ہزاروں لڑکیوں کی کہانی ہے۔اس دور کی لڑکیوں کی کہانی ہے جو پابندی اور آزادی کے بیچ ایک خلا میں لٹک رہی ہیں۔"(۹)

عصمت چغتائی نے اس ناول کو تین منزلوں میں تقسیم کیا ہے۔یہ دراصل شمن کی زندگی کی تین منزلیں ہیں۔ پہلی منزل بچپن اور سن بلوغت ہے۔دوسری منزل سکول اور کالج کی کے بعد کالج کی آزاد فضا

اور شمن کے عشق کی داستانیں ہیں اور تیسری منزل کا آغاز شمن کا ترقی پسند گروپ کا پرجوش رکن بننے سے شروع ہوتا ہے۔ شمن اپنے والدین کی دسویں اولاد تھی۔ گھر میں آسودگی تھی۔ یہ سب بچے بخیر وعافیت پل رہے تھے۔ متوسط مسلم گھرانوں میں اکثر اوقات بڑی اولادیں اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں مگر شمن کو بڑی آپا نے توجہ نہ دی۔ دودھ پلانے کے لئے انا کا انتظام کیا گیا جو ایک روز اپنے عاشق کے ساتھ پکڑی گئی۔ اب انا تو رخصت ہوئیں اور شمن کی ذمہ داری شمن کی منجھو بی کے سپرد ہوئی۔ دودھ کی جگہ پلاسٹک کی بوتل شمن کے پیٹ کی آگ کو بجھانے کے لیے استعمال ہوئی۔ منجھو بی نے اس سے محبت کی لیکن سختی بھی بہت کی۔ منجھو بی کا رویہ جتنا بھی مہر آمیز ہو وہ ماں تو نہ ہو سکتی تھیں۔ منجھو بی شمن کو جس قدر صفائی کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتیں، شمن چاہتے نہ چاہتے اسی قدر مٹی میں لت پت ملتی۔ مار دھاڑ، چیخ پکار اور سگے ماں باپ کی طرف سے برتی جانے والی بے اعتنائی نے شمن کے دل میں ایسی دیواریں بنا ڈالیں جن کے سبب وہ ساری زندگی اپنے گھر آنگن سے محبت پر مائل نا ہو سکی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ضد، ہٹ دھرمی، اور اکھڑ مزاجی شمن کے مزاج کا حصہ بن گئی۔

انھی اخلاقی مسائل کے سبب اسے مسلم گرلز اسکول کے بورڈنگ ہاؤس میں داخل کروا دیا گیا۔ اسکول میں بھی شمن اپنے سے چھوٹی لڑکیوں کو خوب تنگ کرتی ہے۔ یہاں شمن کی ملاقات مس چرن سے ہوئی۔ شمن ان پر فریفتہ ہو گئی۔ ان کا ہر کام اپنے ہاتھوں سے کرتی۔ نیند میں چلتے چلتے ان کے کمرے کے باہر پہنچ جاتی۔ نوبت یہاں تک آئی کہ ایک دن نیند میں ان کے بستر پر ملی۔ بعد ازاں مس چرن کو لڑکیوں کے اخلاق خراب کرنے کی پاداش میں سکول سے نکال دیا گیا۔ شمن بھی اسکول میں فیل ہوئی تو اس کا داخلہ مشن سکول میں کروایا گیا۔ یہاں سے شمن یسوع مسیح کی تعریف میں نظمیں یاد کرتی اور گھر جا کر سناتی۔ گھر والے عیسائی بننے کے ڈر سے دوبارہ اسی مسلم درس گاہ میں داخل کروا دیتے ہیں۔ اب یہاں عصمت چغتائی نے زنانہ مدرساتی زندگی کی تصویر پیش کی۔ یہاں ایک بھی کردار ایسا نہیں جس میں اخلاقی کج روی نہ ہو اور جو جنسی مرض میں مبتلا نہ ہو۔ یہاں غالباً عصمت یہ بھی بتانا چاہتی ہیں کہ ہندوستانی معاشرت میں اخلاقی پابندیوں اور جنسی شعور کے مناسب نشوونما نہ پانے کی وجہ سے متوسط طبقے کے مسلمان گھرانوں کی لڑکیاں جنسی گھٹن کا شکار ہو رہی ہیں۔ جس کے نتیجے میں درس گاہیں خراب ہو رہی ہیں۔ یہ غیر فطری روابط شمن کی زندگی میں بلقیس کے اس عندیے کے ساتھ ختم ہوئے جب وہ شمن کو بتاتی ہے کہ اس کی بڑی آپا کے بہ قول

لڑکیوں کو ہمیشہ لڑکوں پر مرنا چاہیے۔ یوں شمن کی زندگی میں رشید سے تعلق کا آغاز ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ رشید شمن کو چھوڑ سمیہ کی طرف مائل ہوتا ہے۔ یہاں بھی شمن کا رویہ باغیانہ ہے۔ وہ منہ کے بل نہیں گرتی بل کہ زیادہ عزم سے کھڑی ہوتی ہے۔

ٹیڑھی لکیر میں جا بہ جا عصمت سماج کے اصول و ضوابط پر اور خاندانی رسم و رواج پر طنز کرتی نظر آتی ہیں۔ مسلم گھرانوں میں عورت کو پردے میں رہنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ اس حوالے سے بہت سختی بھی برتی جاتی ہے۔ **ٹیڑھی لکیر** کا مرکزی کردار شمن آزادی پسند ہے۔ وہ پردے کی پابندی کو پسند نہیں کرتی لیکن جب وہ اس آزادی کے نتائج پر غور کرتی ہے تو محسوس کرتی ہے:

"شمن کو محسوس ہوا کہ یہ آزادی ہی تو قید ہے۔ ٹھیک کہتے ہیں یہ بوسیدہ لوگ کہ عورت کو پردہ میں رہنا چاہیے۔ سچ تو ہے کتنے مزے سے پردہ میں آنکھ مچولی کھیلی جا سکتی ہے۔ جی چاہا جس سے چھپ گئے اور جی چاہا دکھا دیا۔ بد صورت تو خاص فائدہ میں رہتی ہوں گی جسے ہلکی سی جھلک دکھا دی وہی حسین سمجھ بیٹھا۔ یہ تھوڑی کہ مقابل بیٹھے ہیں اور ہر عیب سامنے رکھا دل دکھا رہا ہے۔" (۱۰)

ہندوستان میں خاندانی زندگی کی بنیاد شادی بیاہ میں مضمر ہے۔ یہ ناول چوں کہ مسلم خاندانوں کی زندگیوں کے پیش نظر تحریر کیا گیا ہے اس لیے یہاں شادی بیاہ میں اسلامی طرز نکاح کو موضوع بنایا گیا۔ شمن کیوں کہ آزادی پسند ہے اس لیے وہ اپنی ہم عمر بھانجی نوری کی شادی کے موقع پر کچھ ایسے احساسات وخیالات میں گم ہے۔ لکھتی ہیں:

"نوری خواب بیداری سے جی سیر کر کے سو بھی گئی مگر شمن نے اس کا سر اپنے بازو سے نا ہٹایا اس نرم گرم جسم، خوابوں سے رنگین چہرہ، ابٹنے میں بسے ہوئے میلے کپڑے وہ غور سے اسے دیکھنے لگی، عورت! کیا یہی تھی عورت جو حلوے کی مرغن قاب کی طرح سجا بنا کر کل ایک نئے مہمان کے سپرد کی جانے والی تھی۔ اسے نہلا دھلا کر عطر میں بسایا جائے گا کہ اگر کل تھوڑی بہت بساند ہو بھی تو معلوم نہ پڑے، ایسے میں سڑے گلے آلو کی چاٹ بنانے والا تلخی چھپانے کے لیے ڈھیر سارا مصالحہ چھڑک دیتا ہے۔ (۱۱)

عصمت نے ہندوستانی خاندانی نظام میں ماں باپ کے کردار کو بہت باریک بینی سے پیش کیا ہے اور اپنے قاری کو اس نہج پر سوچنے پر مجبور کیا ہے کہ وہ اس پر غور کرے کہ آیا ماں باپ بننے کا عمل ہی صرف ان

کی ذمہ داری ہے یا ایک بچے کو ساری زندگی ان کی توجہ، محبت اور خلوص کی ضرورت ہے۔ شمن کا بچپن ناول کا ابتدائی حصہ ہے۔ اس کے بارے میں محمد حسن عسکری (۱۹۱۹۔۱۹۷۸ء) لکھتے ہیں:

> "اس ناول کے پہلے پچاس صفحے تو ایسے ہیں کہ ہمار ادب ان کا جواب پیش نہیں کر سکتا۔"(۱۲)

عصمت نے اس ناول میں عام خاندانوں کی عورتوں کی ان کم زوریوں پر چوٹ کی ہے جن سے مرد کبھی آشنا نہ ہو سکے۔ وہ عورت ہو کر عورت کا پردہ فاش کرتی ہیں۔ ہندوستان میں بیوہ کی دوسری شادی ممنوع ہے۔ شمن کی بڑی آپا جوانی میں ہی دو چھوٹے بچوں کے ساتھ بیوہ کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ لیکن ان کے نسوانی جذبات معاشرتی حدود کو توڑنے کے شدید خواہاں ہیں۔ یہ بڑی آپا اپنے دیور ڈاکٹر رشید کی آمد کے بعد متواتر بیمار رہنے لگیں۔ انھیں رشید کے سوا کسی کی دوا سے افاقہ نہ ہوتا تھا مگر جلد ہی رشید کا آپابی کے نام خط پکڑا گیا تو دونوں کے عشق کا راز فاش ہو گیا اور ابا کے خوف سے آپا کی بیماری از خود ٹھیک ہو گئی۔ یوں رشید کی آمد و رفت بند ہوئی۔ ایسے بے شمار واقعات ہندوستان میں بیوہ کی زندگی کی ارزانی کا واضح بیان ہیں۔ یہاں یہ بھی بہت صراحت سے بیان کیا ہے کہ ہندوستانی معاشرت بنیادی طور پر ہندی ہے۔ یہاں کے مسلم گھرانے اپنے دینی پس منظر میں مسلمان ہیں لیکن معاشرت کے سارے حوالے ہندوستانی ہیں۔۔ اسی لیے وارث علوی (۱۹۲۸۔۲۰۱۴ء) لکھتے ہیں:

> "عصمت تو خود گھر کا بھیدی ثابت ہوئی۔ جن لڑکیوں، عورتوں، نوکرانیوں اور مردوں کے متعلق لکھتی وہ سب تو ہمارے گھر ہی کا حصہ تھے۔ جو کچھ ہماری نظروں کے سامنے تھا اس سے ہم اتنے مانوس ہو گئے تھے کہ ایک پرانی تصویر کی مانند ہم اسے دیکھتے ہی نہیں تھے۔۔۔ یہ مسلم مڈل کلاس طبقہ کے تضادات، اس کی محرومیاں، اس کی گھٹن، اس کی آسودگی اور اا سکا تحفظ، اس کا استحصال اور اس کی ایثار نفسی، اس کی عیاریاں اور اس کا خلوص، اس کا دکھ، درد، سکھ، اس کا المیہ اور اس کا طربیہ اس کے آنسو اور اس کے قہقہے۔"(۱۳)

مجموعی طور پر عصمت چغتائی کے ناول عام انسانی زندگی کو فن کی مہارت سے پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کردار، ماحول، زبان و بیان اور معاشرتی طرز رہن سہن انسانی زندگی سے قریب تر ہے۔ اس پر امتیاز یہ کے خاتون ہونے کے ناطے ہند و مسلم خاندانوں کی نجی زندگی کی نہ صرف عکاس ہیں بل کہ نقاد بھی ہیں۔ نسوانی خواہشات و مسائل جن سے اردو ناول ان سے پہلے نا آشنا تھا عصمت چغتائی نے

اردو ناول کو ان حقیقتوں سے بھی آشنا کر دیا۔ یہ گھریلو دنیا دیکھنے میں عام سی ہے لیکن اس کی تہ داری اور عمیق مشاہدہ بے شک عصمت چغتائی کا خاصہ ہے۔

مجموعی طور پر اردو ناول قیام پاکستان سے قبل خاندانی زندگی کے بے شمار پہلوؤں کو پیش کرتا ہے۔ خاندان جس کی بنیاد ایک مرد اور ایک عورت کا باہمی معاہدہ ہے، سماج اور سماج کے دیگر ادارے اس نوزائیدہ خاندان کی زندگی پر جن بے شمار صورتوں سے اثر انداز ہوتے ہیں۔ تقسیم سے قبل کا اردو ناول انھی بے شمار صورتوں کا نقاد بھی ہے اور عکس گر بھی۔ خاندانی زندگی کی اصلاح سے شروع ہونے والا ناول کا یہ سفر قیام پاکستان سے قبل سماجی زندگی کے خاندانی زندگی پر اثرات کو بہ خوبی موضوع بناتا نظر آتا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) ڈپٹی نظیر احمد، مراۃ العروس،(دہلی: کتابی دنیا،۲۰۰۳ء)،۳۹۔

(۲) ایضاً ،۵۶۔

(۳) مرزاہادی رسوا، مجموعہ مرزا ہادی رسوا،(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۰ء)،۵۲۵۔

(۴) ایضاً ،۱ ۔

(۵) طاہر منصور آفاقی،(ترتیب)،پریم چند کے چار ناول،(لاہور:الحمد پبلی کیشنز،۲۰۱۶ء)،۱۲۹۱ ۔

(۶) مشتاق احمد وانی، ڈاکٹر،تقسیم کے بعد اردو ناول میں تہذیبی بحران،(دہلی: ایجو کیشنل پبلشنگ ہاوس،۲۰۰۲ء)،۱۸۹ ۔

(۷) طاہر منصور آفاقی،(مرتب)،پریم چند کے چار ناول،۱۰۰۷۔

(۸) قمر رئیس،پریم چند کا تنقیدی مطالعہ،(دہلی:ایجو کیشنل پبلشنگ ہاوس،۲۰۰۴ء)،۳۰۰ ۔

(۹) عصمت چغتائی،کلیات عصمت چغتائی،(دہلی: کتابی دنیا،۲۰۰۲ء)،۱۱۔

(۱۰) طاہر منصور آفاقی،عصمت چغتائی کے چار ناول،(لاہور:الحمد پبلی کیشنز،۲۰۱۶ء)،۵۴۵۔

(۱۱) ایضاً،۵۳۴۔

(۱۲) محمد حسن عسکری، عصمت چغتائی، مشمولہ عصمت چغتائی شخصیت اور فن، (اسلام آباد: ورڈ ویژن پبلیشرز،۱۹۹۲ء)،۷۶۔

(۱۳) وارث علوی،عصمت کے فن کے چند پہلو،مشمولہ عصمت چغتائی شخصیت اور فن،۲۳۔

BIBLIOGRAPHY

- Deputy Nazir Ahmad, *Mirāt- al-'rūs*, (Dehli: Kitabi Dunya, 2003).
- Mirza Hadi Ruswa, *Majmu'a Mirza Hādi Rusva*, (Lahore: Milestone Publications, 2000).
- Qamar Rais, *Premchand Ka Tanqīdi Mutal'a*, (Delhi: Educational Publishing House, 2004).
- Mushtaq Ahmad Wani, *Taqsīm Ke Bād Urdū Novel Men Taḥzībi Boḥrān*, (Delhi: Educational Publishing House, 2002).
- Muhammad Hasan Askari, Ismat Chaghatai, (Incl.) 'ṣ*mat Chughtai* Shakhṣiyat *Aur Fan̲*, (Islamabad: World Vision Publishers, 1992).
- Tahir Mansoor Afaqi, (Comp.) *Premchand ke Chār Novel*, (Lahore: Al Hamad Publications, 2016).
- Tahir Mansoor Afaqi, (Comp), 'ṣ*mat Chughtai* Shakhṣiyat *ke Chār Novel*, (Lahore: Al Hamad Publications, 2016).
- Waris Alvi, Ismat K Fan K Chand Pahlo, (Incl.) 'ṣ*mat Chughtai* Shakhṣiyat *Aur Fan̲*, (Islamabad: Word Vision Publishers, 1992).

❖❖❖